ڈاکٹر مقبول نثار ملک
صدر شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس سرگودھا

اُردو میں مقدمہ نویسی: چند توجہ طلب پہلو

Dr. Maqbool Nisar Malik
Head Department of Urdu, University of Lahore (Sargodha Campus Sargodha)

Prefaces Writing In Urdu: Some Aspects of Seek Attention

The World“Muqadema”in Urdu means the preface or introduction of the book or its auther that is commonly written to understand the content and familiarity of the book. It is narrated by auther as well as any other critic of researchers or well known person in literature. The tradition of the preface in Urdu highlights that a very few preface have been written impartially. In the East, it is considered that the merits and demerits of the book analyzed by the prefacer depend upon the relationship between auther and prefacer. This trend has been changed with the passage of time. Some important and well known prefaces in Urdu literature are the preface of “Dewanzada”written by Zahoor udeen Hatum, the preface of Dastan “Bagho.Bahar” written by Mir Hassan, the preface of Moulana Hali“Muqadema Shier o shairy” and the preface of Nuskha e Hamidia (Ghalib) written by Doctor Abdur Rehaman Bajnory. The Tradition of comprehensive prefaces in Urdu has been replaced by the brief introduction of book and author now.a.days.An other trend of compiling the old literary prototype and to write the comprehensive preface on it is improgress these days.This is a very careful and sensitive task. The compiler must be competent enough to judge the literary trend of the concern period and its language. The present article presents a comprehensive analysis on the issues relevant to the prefaces of the books in Urdu literature.

Key Words: *Preface, Familiarity, Researcher, Impartially, Compiling, Prototype, Analysis.*

اُردو نے لفظ "مقدمہ" عربی زبان سے لیا ہے۔ عربی میں اس لفظ کا دو طرح سے تلفظ ملتا ہے اور دونوں کے معانی میں فرق ہے۔ جیسے

(الف) مقدمہ (م۔قد۔دِمہَ) اس کے معنی دیباچہ، تمہید وغیرہ ہیں۔اس تلفظ میں اس کے ایک اور معنی "آگے چلنے" اور "ہراول دستہ" یعنی فوج کا وہ حصہِ جسے آگے بھیج دیا جائے، بھی ہیں جیسے مقدمۃ الجیش وغیرہ۔

(ب)　"مقدمہ "(مَ۔قد۔دَمہَ) بمعنی نالش، دعوی، استغاثہ، حادثہ، وقوعہ، واردات، واقعہ، معاملہ، موقع، بات اور مسئلہ وغیرہ، اس طرح تلفظ کے خفیف تغیرّ نے معنی و مفہوم میں خاصا فرق پیدا کر دیا ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں یہی دو تلفظ اور کم و بیش یہی دو مفاہیم درج ہیں۔

اُردو انسائیکلوپیڈیا میں لفظ "مقدمہ" کی تعریف اِن الفاظ میں بیان کی گئی ہے

> "مُقدمہ" (Case) عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معانی دیباچہ، پیشکش، عرضداشت، قانونی اِصطلاح میں استغاثہ، دعویٰ، نیز ایک طرف کے دلائل کا مجموعہ یا کسی فائق عدالت کے رُوبرو پیش کردہ واقعات بغرض حوالہ وغیرہ "مقدمہ" کہلاتے ہیں۔[۱]

الطاف حسین حالی اور بعض دوسرے علماو محققین نے لفظ "مقدمہ" کو دیباچہ یا اس مضمون کے لیے استعمال کیا ہے جو فہم مطالعہ کی غرض سے بطور تمہید اصل موضوع سے پہلے بیان کیا گیا ہو اس عنوان کے تحت متعلقہ کتاب کی خصوصیات اور مصنف کے بارے میں لکھنے والے کا خاص نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات "مقدمہ" یا دیباچہ صاحب کتاب خود بھی تحریر کرتا ہے لیکن زیادہ تر یہ کاوشِ صاحبِ کتاب کے دوست یا کسی معروف شخصیت کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔

مقدمے اور دیباچے کو عموماً متبادل کے طور پر لیا جاتا ہے لیکن آل احمد سرور نے اپنی کتاب "تنقید کیا ہے؟ اور دوسرے مضامین" میں اس کے فرق کو واضح کیا ہے: جیسے

> "دیباچہ تعارفِ کتاب یا صاحب کتاب کا تعارف کراتا ہے اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے اس کی قدر و قیمت متعین نہیں کرتا، متعین کرنے میں مدد دیتا ہے مقدمہ اس سے ذرا آگے بڑھ جاتا ہے وہ قدر و قیمت بھی متعین کرتا ہے اور قول فیصل بھی پیش کر دیتا ہے یہ تبصرہ یا ریویو ہے اور بعض اہم خصوصیات کی طرف اشارہ کرتا ہے مگر عام طور پر مقدموں میں بالغ نظری سے زیادہ شرافت کا ثبوت دیا جاتا ہے ان میں یقیناً بعض گمراہ کن ہوتے ہیں"[۲]

درج بالا سطور کی روشنی میں "مقدمہ" موضوع کتاب اور مصنف کے مثبت تعارف اور ایک خاص قسم کی تحقیق و تنقید کا نام ہے جسے کتاب کے اصل موضوع سے پہلے احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہو۔ ظہور الدین حاتم کے "دیوان زادہ" کا مقدمہ اور الطاف حسین حالی کا مقدمہ "مقدمۂ شعر و شاعری" اس قسم کے مقدموں کی قابل ذکر مثالیں ہیں۔ جن میں لکھنے والے اپنی تصانیف یا نظریات کی وضاحت اور ضرورت و اہمیت واضح کرنا چاہتے ہیں۔

مقدمہ کو ادبی و لسانی تحقیق اور تنقید کی ایک اصطلاح کا درجہ حاصل ہے یہ زیر تبصرہ کتاب یا تخلیق کے تعارف کے ساتھ ساتھ مصنف کی ادبی و لسانی کاوش، طرزِ فکر، فنی و تکنیکی امور، وجہ تصنیف اور اہم خصوصیات کو اُجاگر کرنے کے لیے تحریر کیا جاتا ہے لیکن اُردو میں ادبی و لسانی مقدموں کی جو روایت سامنے آتی ہے ان میں بہت کم ایسے ہیں جن میں بے لاگ نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے تحقیق و تنقید کے تقاضوں کو کماحقہ بروئے کار لایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقدمہ

لکھنے والا مشرقی اقدارِ تعلق داری اور حفظِ مراتب کی پاسداری میں جہاں خوبیوں میں مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے وہاں خامیوں سے صرفِ نظر کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس کے باوجود مقدمے کی ادبی و تحقیقی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا: جیسے

- ❖ بعض مقدمے اپنے عہد کے بارے میں قیمتی معلومات یا کسی انقلابی اقدام کی تفصیل لیے ہوئے ہوتے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ یہ مقدمے اصل کتاب سے زیادہ اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔
- ❖ مقدمہ ہمیشہ نثر میں تحریر کیا جاتا ہے خواہ متعلقہ کتاب یا فن پارہ شاعری کا ہی کیوں نہ ہو اس کا فائدہ نثر کے حصے میں آتا ہے کیونکہ نظم کی قدامت اور تقدم کی وجہ سے زمانہ قدیم کے شعری فن پارے تو محفوظ ہو جاتے تھے۔ نثری ادب پارے نہیں، چنانچہ مقدموں اور دیباچوں کی بدولت اُردو کے قدیم نثری نمونوں تک رسائی بھی ممکن ہو گئی ہے۔
- ❖ مقدموں اور دیباچوں کی بدولت شعرا، ادبا کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے فن کو مزید بہتر بناتے ہیں اور خامیوں کو دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ عمل تعمیر ادب کو آگے بڑھاتا ہے۔
- ❖ وہ قدیم شُعرا اور نثر نگار جو گوشہ گمنامی میں مستور ہیں، اپنی علمی و ادبی اور تخلیقی کتب کے دیباچوں اور مقدموں کی بدولت اپنی پہچان کرا سکتے ہیں۔ اردو ادب کے محققین کو اپنی تحقیق کے لیے بہت سا قیمتی مواد مقدموں اور دیباچوں سے حاصل ہو جاتا ہے۔
- ❖ اُردو میں تنقید نگاری کی روایت کو دیکھا جائے تو اس کے اوّلین نمونے متعلقہ کتب کے مقدموں میں مل جاتے ہیں اگرچہ ان مقدموں میں تنقید غیر جانبدار اور بے لاگ نہیں لیکن پھر بھی اُردو تنقید میں اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلمّہ ہے۔

اُردو ادب کی تصنیف و تالیف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اوّلین دور سے ہی مقدمہ لکھنے کا رواج پڑ گیا تھا اس نوعیت کی ایک مثال ملاوجہی کی تصنیف "سب رس" سے دی جاسکتی ہے جس میں مصنف نے اصل قصے سے قبل اپنی تخلیقی کاوش کی وجہ اور قصے کے تعارف میں جو باتیں قلم بند کی ہیں انھیں اُردو مقدمے کے ابتدائی نمونوں میں شمار کیا جا سکتا ہے "سب رس" کی یہ تعارفی سطور اگرچہ مقدمے یا دیباچے کے لوازمات وضوابط پر پورا نہیں اُترتیں تاہم انھیں مقدمے کی طرف ایک پیش رفت قرار دیا جاسکتا ہے۔

محققین نے شمالی ہندوستان میں بھی بعض ایسے قدیم ادبی نسخوں کا کھوج لگایا ہے جن میں اصل موضوع سے پہلے مقدمے یا دیباچے کا اہتمام کیا گیا ہے اس سلسلے میں "کربل کتھا" کی مثال دی جاسکتی ہے جو اٹھارھویں صدی کی تیسری دہائی میں تصنیف کی گئی تھی اس تصنیف کے آغاز میں جن امور کو احاطہ تحریر میں لایا گیا تھا وہ نہ صرف اس کے تعارف اور غرض و غائت کو واضح کرتے ہیں بلکہ اس میں دیباچے اور مقدمے کے الگ الگ عنوانات بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

اُردو میں جن ادبی و لسانی مقدموں کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی ان میں ظہور الدین حاتم کے "دیوان زادہ" کا مقدمہ قابل ذکر ہے اگرچہ یہ اُس دور کی روایت کے مطابق فارسی زبان میں تحریر کیا گیا تھا لیکن اُردو میں اس کی اہمیت ان کے پہلے اور دوسرے دواوین میں تغیر زبان کے پس منظر کے حوالے سے ہے۔ اس مقدمے میں نہ صرف یہ کہ اُردو زبان کی اصلاح کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ اس کے بدلتے ہوئے معیار اور متروکات الفاظ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اُردو ادب کی تاریخ میں شاہ حاتم کی شاعری سے زیادہ ان کا یہ دیوان زادہ کا مقدمہ اہمیت اختیار کر گیا ہے اور قطع نظر اس کے کہ یہ فارسی زبان میں ہے، اس سے اُردو زبان کی تاریخ، ارتقا اور تغیرات پر جو معلومات ملتی ہیں وہ اسے اُردو زبان کے قیمتی سرمائے میں شمار کرتی ہیں۔

داستان "باغ و بہار" کو اُردو نثر کا ایک شاہکار اور معیار تصور کیا جاتا ہے اس میں مصنف نے اصل قصے سے قبل اس کے پس منظر اور اپنی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالی ہے اس عمل نے اُردو میں مقدمہ نگاری کی روایت کو ایک قدم آگے بڑھایا ہے اور ایک رجحان دیا ہے چنانچہ "مقدمہ باغ و بہار" کے تتبع میں بہت سے مقدمے تحریر کیے گئے جن میں جان گلکرسٹ، مولوی عبدالحق، ممتاز حسین وقار عظیم، ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر ممتاز منگوری، ڈاکٹر سلیم اختر، رشید حسن خان اور ڈاکٹر عزیز درانی کے مقدمات قابل ذکر ہیں۔

"باغ و بہار" کے جواب میں رجب علی بیگ سرور نے "فسانہ عجائب" کا مقدمہ تحریر کیا یہ مقدمہ جہاں اپنی فصاحت اور نثر کے مخصوص پیرائیہ اظہار کا مظہر ہے وہاں مقدمے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ "فسانہ عجائب" کے تعارف و تنقید کے بجائے "باغ و بہار" پر تنقید و تحقیر کے نشتر چلاتا ہے فسانہ عجائب کے مقدمے پر دبستان لکھنو کی معریٰ نثر کے اثرات ہیں لیکن اس میں لکھنو کی اصلاح زبان کی تحریک کے قواعد وضوابط اور مدُعانویسی کے پہلو کم کم دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی پر مغربی افکار کے اثرات تحریک علی گڑھ سے وابستگی اور قومی اصلاح کے مقاصد ان کے مقدمے "مقدمہ شعر و شاعری" میں نظر آتے ہیں۔ اُردو میں یہ مقدمہ اپنی اشاعت اور اثرات کے لحاظ سے سب پر بازی لے گیا۔ اُردو کے ادبی مقدموں میں اسے متعدد وجوہ کی بنا پر اہمیت حاصل ہے خود صاحب مقدمہ کو بھی اس کی اہمیت کا اندازہ تھا چنانچہ مقدمے اور دیوان کی ضغامت حالی کی ترجیح کا تعین کرتی ہے کیونکہ دیوان کی ضغامت سے "مقدمہ" کی ضغامت زیادہ ہے علاوہ ازیں مقدمے کے مصنف کی دیوان کے شاعر پر تقدیم کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے دیوان اور مقدمے پر مشتمل کتاب کا نام سرورق پر اس طرح تحریر کیا تھا۔

مقدمہ

جس میں شاعری کی ماہیت اور اس کے حسن و قبیح پر بحث کی گئی ہے۔

مع دیوان حالی

سرورق کے ان الفاظ سے خود حالی کی ترجیح کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے ان تمام حقائق کے باجود اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ "مقدمہ شعر و شاعری" اُردو کی اُن چند کتابوں میں شامل ہے جن پر بہت زیادہ نزاعی مباحث ہوئے۔

اُردو مقدموں کی روایت میں "مقدمہ نسخہ حمیدیہ" ادبی حلقوں میں جانا پہچانا ہے ڈاکٹر عبدالرحمنٰ بجنوری کا یہ مقدمہ اب غالبیات پر ایک حوالے کا درجہ رکھتا ہے "نسخہ حمیدیہ" غالب کے اُردو دیوان کا وہ قدیم ترین نسخہ ہے جسے خود اسد اللہ غالب نے اپنی جوانی میں ترتیب دیا تھا۔ بعد ازاں مفتی انوار لحق ناظم تعلیمات ریاست بھوپال نے اس قدیم نسخے کو ڈاکٹر عبدالرحمنٰ بجنوری کے مقدمے کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا۔ پروفیسر حمید احمد خان نے اس کی اہمیت کے پیش نظر ۱۹۶۹ء میں غالب صدی کے موقع پر اسے لاہور سے شائع کیا۔ اس میں صفحہ ۳۳ سے ۱۳۹ تک تقریباً ۱۰۷ صفحے کا وہ مقدمہ شامل ہے جسے عبدالرحمنٰ بجنوری نے تحریر کیا تھا۔ اس مقدمے نے بھارت اور پاکستان میں غالب پر تحقیقی اور تفہیمی کام کرنے والوں کو اُن کی ابتدائی شاعری کے حوالے سے کئی نئے گوشوں سے روشناس کیا ہے۔

علامہ اقبال کے شعری مجموعے "بانگ درا" پر شیخ عبدالقادر کے دیباچے میں جہاں علامہ کی شاعری کے پس منظر اور ارتقا کو بیان کیا گیا ہے وہاں اُن کے مقصد سخن اور نظریے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس دیباچے میں بیسویں صدی کے پہلے عشرے کے ادب، اس کے رجحانات اور اس دور کے مشاہیر ادب کا بھی ذکر ہے نیز انیسویں اور بیسویں صدی کے نامور مغربی اور مشرقی علما اور ادبا کے اقبال کے بارے میں خیالات و تاثرات کو بھی بیان کیا گیا ہے اس دیباچے میں اقبال کی شاعری کے جن ادوار کا ذکر کیا گیا ہے اس سے بعد ازاں تفہیم کلام اقبال میں مدد ملی یہ دیباچہ اپنے اسلوب اور اندازِ تعارف کے لحاظ سے بھی ایک الگ راہ لیے ہوئے ہے۔ یہاں علامہ اقبال کے حوالے سے "اسرارِ خودی" پر لکھا گیا دیباچہ اس پر نزاعی مباحث کے نقطہ نظر سے قابل ذکر ہے۔ اس پر محققین ناقدین اور مورخین کی نزاعی آرا کی گونج آج بھی کہیں کہیں سنائی دیتی ہے کیونکہ طویل مباحث کے باجود اس دیباچے کے نزاعی حصوں کی خلیج کو ہنوز پاٹا نہیں جاسکا ہے۔

کلام آتش کے حوالے سے خلیل الرحمنٰ اعظمی کا مقدمہ دراصل اُن کا وہ تحقیقی مقالہ تھا جس میں اُنھوں نے آتش کے دور ان کے کلام اور لکھنو کی ادبی اور تہذیبی زندگی پر روشنی ڈالی تھی۔ ان کا یہ مقالہ ادبی رسالہ "نگار" میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ اُردو زبان و ادب میں آتش اور ناسخ کے دور کو ایک خاص مقام حاصل ہے دبستان لکھنو کے حوالے سے آتش کے بارے میں محققین میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں انھیں دُور کرنے کے لیے اس مقدمے سے مدد لی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر مسعود حسین خان کا مقدمہ "تاریخ زبان اُردو" کو اُردو زبان کے ارتقاء اور ادبی تاریخ نویسی کے حوالے سے اہم گروانا جاتا ہے پاکستان اور بھارت میں گزشتہ ربع صدی سے اُردو ادب پر لکھی گئی تواریخ پر اس مقدمے کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

"مقدمہ شعری و شاعری" اور "دیباچہ اسرِرِ خودی" کی طرح چکبست کا مثنوی "گل زار نسیم" پر لکھا گیا دیباچہ بھی ادبی نزاع کا باعث بنا رہا کیونکہ اس دیباچے پر جو متضاد مباحث کا طویل سلسلہ سامنے آیا اس سے ادب سے دلچسپی رکھنے والوں نے تخلیق سے زیادہ تخلیق پر دیے گئے تاثرات پر گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔

اُردو زبان میں دیباچوں اور مقدموں کی تعداد کے حوالے سے مولوی عبدالحق کو بلاشبہ سب سے بڑا مقدمہ نگار قرار دیا جاسکتا ہے اُن کے پہلے اور آخری مقدمے کی تاریخوں کو دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی عمر کے چھپن سال

ان مقدموں اور دیباچوں کی نذر کیجئے۔ ان کے تذکروں، منظومات، نثر کی مختلف اصناف، لسانیات رسائل اور متفرقات پر ستاون سے زائد مقدمات ہیں، دیباچے اور پیش لفظ ان کے علاوہ ہیں مولوی صاحب ان مقدموں اور دیباچوں میں روایت سے باہر نہیں نکل سکے۔ ان کے ہمدردانہ تاثرات اور حوصلہ افزائی کے الفاظ اکثر و بیشتر مقدموں میں صورت حال کی یک طرفہ تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں۔

سید قدرت علی نقوی کا نام مقدمہ نگاری اور دیباچہ نویسی میں اس لحاظ سے لائق توجہ ہے کہ اُنھوں نے پہلی بار اپنے مقالے "ایک صنفِ سخن" کے دیباچے میں تمہید، دیباچے اور مقدمے کی باقاعدہ تعریف کی اور ان تینوں پر بحث کرتے ہوئے ان میں فرق کی وضاحت بھی کی ہے۔

اُردو میں مقدمے اور دیباچے کی روایت میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی خود نوشت سوانح عمری "آپ بیتی" کا ذکر یہاں اس لیے ضروری ہے کہ اُنھوں نے مقدمے اور دیباچے کے بارے میں ایک نئے خیال کو پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا نقطہ نظر ہے کہ

"کسی کتاب کے مضر اثرات (اگر ہوں) تو انھیں زائل کرنے کے لیے اس پر ایسا مقدمہ یا دیباچہ لکھنا چاہیے کہ پڑھنے والے پر حقائق روشن ہو جائیں اور وہ اس کے تخریبی اثرات سے محفوظ رہ سکے۔

مولانا کے اس نقطہ نظر کو کماحقہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مقدمے یا دیباچے کے جو مقاصد اور لوازمات ہیں وہ اس سے وسیع تر ہیں ان مقاصد کا ایک ذیلی جزو یہ بھی ہو سکتا ہے جو مولانا نے بیان کیا ہے۔"

ڈاکٹر یوسف حسین کی تالیف "اُردو غزل" ۱۹۵۳ میں منظر عام پر آئی۔ اس کے دیباچے میں اُردو غزل، اس کی روایت اور اس کی ہیئتی و معنوی تفہیم کے ساتھ ساتھ اس کی اہم خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں اور تنقید و تجزیے میں بے لاگ اندازِ فکر اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سید عابد علی عابد نے ڈاکٹر تنویر احمد علوی کی کتاب "ذوق، سوانح اور انتقاد" کے دیباچے میں تنقیدی اور تحقیقی انداز اختیار کرتے ہوئے تقابل و موازنہ کے ذریعے اپنی بات کو واضح کیا ہے متعلقہ موضوع پر استدلال اور حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے نتائج اخذ کرنے کا یہ انداز اُردو کے بہت کم مقدموں اور دیباچوں میں دکھائی دیتا ہے۔

اُردو میں مقدمہ نگاری کی روایت کے آخر میں سید مسعود حسن رضوی ادیب کی تنقیدی کتاب "ہماری شاعری" کے مقدمے کا ذکر بھی ہو جائے کیونکہ اس کتاب کی افادیت میں اس کے مقدمے نے اضافہ کر دیا ہے۔ یہ مقدمہ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے تحریر کیا ہے۔ "ہماری شاعری" دراصل مغرب کے ادب سے متاثر ہو کر غزل پر تنقید کرنے والوں کے لیے تصنیف کی گئی ہے۔ اور اُنھیں صورت حال کا دوسرا رُخ دکھایا گیا ہے۔ اس مقدمے میں غزل پر یک طرفہ تنقید کرنے والوں کو آئینہ دکھایا گیا ہے۔ اس طرح اس میں مقدمہ نگار کا انداز مدافعانہ بھی ہے اور جارحانہ بھی مقدمے اور دیباچے کی اِس روایت پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کے مختلف ادوار میں ان کے اندرجات کا رحجان بدلتا رہا ہے۔

شروع شروع میں اس پر فارسی اثرات غالب تھے۔ برصغیر میں انگریزوں کے غلبے اور مغربی ادب کے زیر اثر اس میں فکری اور اسلوبی تبدیلی نظر آئی لیکن اُردو میں مقدمہ نگاری آج بھی اپنی پُرانی ڈگر پر چل رہی ہے تاہم ایک تبدیلی ضرور نظر آئی ہے۔ اور وہ یہ کہ اب طویل مقدمے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی کتب پر اب مختصر تعارفی سطور یا فلیپ زیادہ اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو تفصیلی مقدموں کی روایت اب زوال پذیر ہے جو تعارف نامے یا دیباچے لکھے جا رہے ہیں۔ وہ بے لاگ نہیں ہیں اگر کوئی دیباچہ نویس غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ اندازِ فکر اختیار کرتے ہوئے صاحب کتاب کے فکری اور فنی پہلوؤں پر اظہارِ رائے کرتا بھی ہے تو یہ صاحب کتاب کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ اسے شامل کتاب کرے یہ نہ کرے غالب اکثریت اپنی کتاب کی تعریف و تحسین کی متمنی ہوتی ہے اور یہی تمنا لے کر صاحبِ کتاب کسی دوسرے شاعر، محقق، نقاد یا عالم سے مقدمے دیباچے یا تعارفی سطور کے لیے درخواست گزار ہوتا ہے آج میڈیا کے ترقی یافتہ دور میں حقائق کو چھپانا مُشکل ہے لیکن ہمارے ہاں مقدموں اور دیباچوں میں بدستور تصویر کا ایک رُخ ہی دکھایا جا رہا ہے پھر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ مختلف موضوعات پر تحریر یا موزوں کی گئی کُتب پر مقدمہ یا دیباچہ لکھنے والے متعلقہ موضوع سے کوسوں دُور ہوتے ہیں، یعنی یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ شاعری کے مجموعوں پر نثر نگار اور نثری اصناف پر تصنیف کی گئی کتب پر شُعرا کرام مقدمے لکھ رہے ہیں تخصیص کے اس پہلو کو خود نثر و نظم میں بھی روا نہیں رکھا جاتا یعنی تحقیقی کتب پر ناقدین اور تنقیدی کتب پر محققین مقدمے لکھ رہے ہیں اسی طرح نظم پر پہچان رکھنے والے دیوانِ غزل پر جبکہ غزل موزوں کرنے والے نظموں کے مجموعوں پر مقدمے اور دیباچے رقم کر رہے ہیں اس سلسلے میں ایک توجہ طلب بات یہ ہے کہ مقدمہ، دیباچہ یا پیش لفظ لکھنے والے متعلقہ کتب کا کماحقہ مطالعہ نہیں کرتے عموماً ہوتا یہ ہے کہ داد طلب مصنف خواہ شاعر ہو یا نثار اپنی تخلیق، شعری مجموعے، تحقیقی و تنقیدی کتاب، ناول یا مجموعے کے خاص خاص حصے دیباچہ نویس کو بھیج دیتا ہے۔ یہ حصے متعلقہ کتاب کا انتخاب ہوتے ہیں جب کہ کتاب کے کمزور اور کم معیار کے حامل حصے دیباچہ نویس کے مشاہدے میں نہیں آتے اس لحاظ سے مقدمے یا دیباچے میں دی گئی آرا اور تاثرات منتخب حصوں پر ہوں گے، پوری کتاب پر نہیں۔

قدیم کتابوں کو نئے سرے سے مرتب کر کے ان پر مقدمے لکھنے کے رجحان میں اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ مرتب جس دور کی کتاب پر مقدمہ لکھ رہا ہو وہ اُس دور کی زبان، ادبی رجحان، رسم الخط، ثقافتی و سماجی، اقدار، اور نُسخے کے اصل ہونے کے بارے میں آگاہی کے معیار پر پورا اُترتا ہے یا مقدمہ نگار کا ذہنی، فکری، نظریاتی یا نسبی تعلق متعلقہ کتاب کے مصنف سے تو نہیں ایسی صورت میں مقدمے میں بے لاگ اور غیر جانب دار تحقیق متاثر ہوتی ہے ایک اور بات کہ ایسی قدیم نثری کتب میں مقدمہ نگار بالعموم صاحب کتاب کے اسلوب کو ضرور موضوعِ بحث بناتے ہیں چنانچہ ایسی کتابوں کے مصنف کے اسلوب کو عموماً زیر بحث کتاب کے طرزِ نگارش کو دیکھ کر بیان کر دیا جاتا ہے جس سے متعلقہ اسلوب نگارش پر مقدمہ نگار کی رائے کو مُعتبر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اسلوب پر داخلی اور خارجی دونوں پہلو کارفرما ہوتے ہیں مصنف کی شخصیت اور اس کے خاندانی خصائص سے آگاہی حاصل کیے بغیر مقدمہ نگار کا تجزیہ ادھورا رہے گا اگر مقدمہ نگار کسی ترجمہ شدہ کتاب پر

مقدمہ تحریر کر رہا ہے تو اسے اور بھی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اس سلسلے میں جملہ شرائط کے ساتھ ساتھ موصوف کو نہ صرف دونوں متعلقہ زبانوں کا ماہر ہونا ضروری ہے بلکہ اس کے لیے اسے اصل زبان میں اصل نسخے کا مطالعہ بھی ضرور کرنا چاہیے یہاں مصنف کی شخصیت اور اسکے خاندانی خصائص کے حوالے سے غلام جیلانی اصغر کا نقطہ نظر دیکھیں۔

"جس طرح ماں باپ کا ناک نقشہ بچے تک منتقل ہوتا ہے اسی طرح ادیب کا اندازِ فکر، اس کا تخیل اس کا استدلال اس کے اسلوب میں منتقل ہو جاتا ہے اس لیے بوفون کا یہ قول کہ اسٹائل شخصیت کا آئینہ دار ہو جاتا ہے، صرف ادبی ہی نہیں حیاتیاتی سطح پر بھی صحیح ہے" [۴]

اس موروثی اور حیاتیاتی تعلق کو ایسا ہم عصر مقدمہ نگار ہی بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے جو مصنف کے خاندان، مزاج، اطوار اور شخصیت کے تخصیصی پہلوؤں سے آگاہ ہو قدیم نسخوں پر مقدمہ لکھنے والوں کو ایسے امور کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کھلے بندوں کر دینا چاہیے اس طرح عصری ادب کے تخلیق کاروں کو بھی مقدمہ نگاروں کی غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ اندازِ تجزیہ کو مقدموں میں شامل کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہیے اس سے مقدمہ نگار اور مصنف یا تخلیق کار کے ادبی قد میں کمی نہیں اضافہ ہو گا اور اُردو ادب بین الاقوامی سطح پر اپنی مثبت پہچان بھی بنا سکے گا۔

حوالہ جات

۱۔ اُردو انسائیکلوپیڈیا (نیا ایڈیشن) مطبوعہ، لاہور، فروز سنز (س،ن)

۲۔ آلِ احمد سرور، "تنقید کیا ہے اور دوسرے مضامین" نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ (پانچواں ایڈیشن) ۱۹۵۹ ص۱۹۶-۱۹۷

۳۔ ارم سلیم: "اُردو میں مقدمہ نگاری کی روایت" لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء ص ۴۶

۴۔ غلام جیلانی اصغر: "سوال یہ ہے، مشمولہ اوراق، لاہور، شمارہ ۱۹۶۶-ص ۴۵-۴۶